علمائے دیوبند کی تواضع کی چند جھلکیاں

مفتی محمد راشد ڈسکوی

اللہ رب العزت کے دربارِ اقدس میں عزت ومرتبہ دلانے والی صفت، صفت عبدیت ہے، جو خاصہ ہے تواضع کا۔ اور اسی دربار میں ذلیل ورسوا کرنے والی چیز تکبر ہے، اسی خصلتِ رذیلہ کی وجہ سے ابلیس لعین راندۂ درگاہ ہوا اور ہمیشہ کے لیے لعنتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرا، **أعاذنا اللّٰہ منه۔**

اگر اخلاص، تواضع اور عبدیت کے کمالاتِ حسنہ سے اپنے کو مزین کرلیا جائے تو پھر ایسے شخص کے لیے اطاعتِ خداوندی اور تقرب عنداللہ کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی تھوڑی سی خدمت بھی حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں بہت زیادہ وزنی اور مقبول ہوتی ہے اور دنیا میں بھی اس کے دوررس اور گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

افضل البشر، خدائے بزرگ وبرتر کے بعد سب سے بزرگ ہستی، خاتم الرسل، حضرت محمد ﷺ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس ؓ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ زمین پر بیٹھ جاتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے اور ارشاد فرماتے: اگر مجھے ایک دست گوشت کی طرف دعوت دی جائے تو اُسے بھی قبول کرلوں گا اور اگر بکری کا ایک پایہ ہدیہ کیا جائے تو وہ بھی قبول کرلوں گا۔'' (شرح السنۃ للبغوی)

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمایا، ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا، کسی نے پکانا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: پکانے کے لیے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کام ہم خود کرلیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بہ خوشی کرلوگے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ جل شانہٗ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے۔ (الرحیق المختوم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ بھی انسانوں میں ایک انسان تھے، اپنے کپڑے میں خود جوں تلاش کرلیتے (کہ کسی کے کپڑوں سے نہ آ گئی ہو) بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے، اپنا کپڑا سی لیتے، اپنا کام

www.banuri.edu.pk

خود کرتے، اپنا جوتا گانٹھ لیتے اور وہ تمام کام سرانجام دیتے جو مرد اپنے گھروں میں انجام دیتے ہیں اور گھر والوں کی خدمت کرتے، جب مؤذن کی آواز سنتے تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔‘‘ (سنن الترمذی)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا سے تواضع، عاجزی اور عبدیت کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک ادائیں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی ہوئی ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد دیوبند کے فرزندوں میں پوری طرح روشن چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح دمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا پورے کا پورا نمونہ ان قدسی صفات سے منور نفوس میں پوری طرح نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کی ہر خصلت کو ان حضرات نے سینے سے لگایا اور ثابت کر دکھایا کہ عاشق رسول کون ہے اور گستاخ رسول کون ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد علمائے حق میں سورج کی طرح چمکتا ہوا نام علمائے دیوبند کا ہے۔ دیوبند کے پروانوں میں سے جس پر بھی انگلی رکھ دی جائے، وہی بے مثال نظر آتا ہے۔ جب حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو لاہور میں ان کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں خطاب کرتے ہوئے شاعر مشرق نے کیا خوب کہا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر کہا کہ اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ شاعر مشرق کی اس بات کا مصداق صرف حضرت کشمیریؒ ہی نہ تھے، بلکہ حضرت کے اساتذہ، تلامذہ، ہم عصر سب ہی دُرِ یکتا تھے۔

ذیل میں گلستانِ دیوبند کے چند پھولوں کی تھوڑی تھوڑی خوشبو بطور نمونہ پیش کی جائے گی، ضرورت ہے کہ ان حضرات کی سوانح کا مستقل مطالعہ کرتے ہوئے اپنے لیے راہِ عمل کو منتخب کیا جائے کہ ان نفوسِ قدسیہ کی قوتِ عمل سامنے ہونے کے بعد ہمارے لیے راہِ عمل سے فرار ممکن نہیں رہ جاتا۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اقدس، مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی و حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم کے استاذ تھے، بڑے ہی منکسر مزاج، صاحب مروت، خوش اخلاق، متقی، عبادت گزار اور سادہ طبیعت انسان تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نفسانیت ان کے قریب بھی نہیں پھٹکی۔ ان کا ایک واقعہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’قصص الاکابر‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ دہلی آتے اور جاتے، جب کاندھلہ سے گزرتے تو باہر سڑک پر گاڑی چھوڑ کر ملنے آتے، مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اول یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے؟

اگر کہتے ''کھا چکا'' تو پھر کچھ نہیں اور اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا۔ تو مولانا پوچھتے کہ رکھا ہوا لادوں یا تازہ پکوادوں؟ چناں چہ ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لادو، اس وقت صرف کھچڑی کی کھرچن تھی، اسی کو لے آئے اور فرمایا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی، انہوں نے کہا بس! یہی کافی ہے۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے تھے، یہی ہمیشہ کا معمول تھا۔'' (سیرت یعقوب ومملوک، ص:۳۴، ۳۵)

سبحان اللہ! سادگی، بے تکلفی، حسن معاشرت کی کیسی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خلوص اور بغیر کسی تصنع کے کھرچن کا پیش کرنا اور مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اُسے بغیر کسی ناگواری کے بے حد خندہ پیشانی سے قبول کرنا، کتنی بہترین زندگی کی طرف راہ دکھاتا ہے، جس میں سکون ہی سکون ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے۔ ''آپ ایک مرتبہ تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا، جو بوجھ لیے جارہا تھا، بوجھ زیادہ تھا اور وہ بمشکل چل رہا تھا، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا، وہاں پہنچا دیا، اس بوڑھے نے ان سے پوچھا، اَجی! تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ بھائی میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔ اس نے کہا ''وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں'' اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا ''اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے، ہاں! نماز تو پڑھ لیتا ہے'' اس نے کہا: واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟ مولانا نے فرمایا: میں ٹھیک کہتا ہوں، وہ بوڑھا ان کے سر ہوگیا، اتنے میں ایک اور شخص آیا، جو مولانا کو جانتا تھا، اس نے بوڑھے سے کہا: بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہیں، اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔'' (اکابر دیوبند کیا تھے؟:۱۰۰۔ ارواح ثلاثہ: ۱۴۸)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے، مزاج تنہائی پسند تھا، اکثر خاموش رہتے، اس لیے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا، تعظیم سے نہایت گھبراتے تھے، بے تکلف ہر کسی کے ساتھ رہتے، اپنے کو مولوی کہلانے سے خوش نہیں ہوتے تھے، کوئی نام لے کر پکارتا تو خوش ہوتے۔ (بیس بڑے مسلمان: ۱۱۷)

ایک بار حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جارہے تھے، ایک جولاہے نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر آپ سے پوچھا: ''صوفی جی! آج کل سوت کا کیا بھاؤ ہے؟'' حضرت نے ذرا بھی ناگواری کا اظہار کیے بغیر فرمایا کہ ''بھائی! آج بازار جانا نہیں ہوا، اس لیے معلوم نہیں کہ کیا بھاؤ ہے۔'' (اصلاحی مضامین: ۵۲)

مولوی امیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ میں نے کہا ''اے قاسم! تو کیوں نہیں جاتا؟'' تو فرمایا کہ ''وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں، مگر اپنے اندر میں کوئی کمال نہیں پاتا، پھر کس بنا پر جاؤں؟'' میں نے بہت اصرار کیا، مگر نہیں مانے۔ (اصلاحی مضامین: ۱۵۹)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے آپ کو کھانے کی دعوت دی، آپ نے قبول فرمالی، اس شخص کا گاؤں فاصلے پر تھا، لیکن اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، جب کھانے کا وقت آیا تو آپ پیدل ہی روانہ ہوگئے، دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ان صاحب نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، سواری کا انتظام کرنا چاہیے تھا، بہر حال اس کے گھر پہنچے، کھانا کھایا، کچھ آم بھی کھائے، اس کے بعد جب واپس چلنے لگے تو اس وقت بھی اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا، بلکہ الٹا یہ غضب کیا کہ بہت سارے آموں کی گٹھڑی بنا کر حضرت کے حوالے کر دی کہ حضرت! یہ کچھ آم گھر کے لیے لیتے جائیں۔ اس اللہ کے بندے نے یہ نہ سوچا کہ اتنی دور جانا ہے اور سواری کا کوئی انتظام بھی نہیں ہے، کیسے اتنی بڑی گٹھڑی لے کر جائیں گے؟ مگر اس نے وہ گٹھڑی مولانا کو دے دی اور مولانا نے وہ قبول کر لی اور اٹھا کر چل دیے۔ اب ساری عمر مولانا نے کبھی اتنا بوجھ اٹھایا نہیں، شہزادوں جیسی زندگی گزاری، اب اس گٹھڑی کو کبھی ایک ہاتھ میں اٹھاتے، کبھی دوسرے ہاتھ میں اٹھاتے چلے جارہے ہیں، یہاں تک کہ جب دیوبند قریب آنے لگا تو دونوں ہاتھ تھک کر چور ہوگئے، نہ اس ہاتھ میں چین، نہ اس ہاتھ میں چین، آخر کار اس گٹھڑی کو اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا، جب سر پر رکھا تو ہاتھوں کو کچھ آرام ملا تو فرمانے لگے: ہم بھی عجیب آدمی ہیں، پہلے خیال نہیں آیا کہ اس گٹھڑی کو سر پر رکھ دیں، ورنہ اتنی تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی۔ اور اب مولانا اس حالت میں دیوبند میں داخل ہورہے ہیں کہ سر پر آموں کی گٹھڑی ہے، اب راستے میں جو لوگ ملتے، وہ آپ کو سلام کر رہے ہیں، آپ سے مصافحہ کر رہے ہیں، آپ نے ایک ہاتھ سے گٹھڑی سنبھال لی اور دوسرے ہاتھ سے مصافحہ کرتے رہے، اسی حالت میں آپ اپنے گھر پہنچ گئے اور آپ کو ذرا برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کام میرے مرتبے کے خلاف ہے اور میرے مرتبے سے فروتر ہے۔ بہر حال! انسان کسی بھی کام کو اپنے مرتبے سے فروتر نہ سمجھے، یہ ہے تواضع کی علامت۔ (اصلاحی خطبات، ج:۳، ص:۴۳)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا: ایسا وظیفہ بتلا دیجیے کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ: آپ کا بڑا حوصلہ ہے! ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔

اللہ اکبر! کس قدر شکستگی و تواضع کا غلبہ تھا، اس پر حضرت والا (تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ: یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ حضرت کی عجیب شان تھی، اس فن کے امام تھے، ہر بات میں شانِ محققیت وحکمت ٹپکتی تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت کے خادموں میں سے کوئی محروم نہیں رہا، ہر شخص کی اصلاح و تربیت اس کی حالت کے مطابق فرماتے تھے۔ (ملفوظات حکیم الامت، ج:۱، ص:۹۲)

ایک سلسلۂ گفتگو میں (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں کیا دیکھا کہ جس کی وجہ سے خادمانہ تعلق رکھ لیا؟ فرمایا اسی وجہ سے تو تعلق قائم کیا کہ وہاں کچھ نہیں دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ کوئی تصنع کی بات نہیں دیکھی تھی، خوب ہی جواب دیا، واقعی بات تو یہ ہے کہ اپنے بزرگوں میں ایسی باتوں کا نام ونشان نہ تھا، بہت سادہ وضع اور متبع سنت تھے، دوسروں کی کسی قسم کا ڈھونگ نہ تھا، پس یہی طرز قابل پسند ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت، ج:۲، ص:۳۳۶)

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں کہ: سچی تواضع اور انکسارِ نفس جتنا امام ربانی میں دیکھا گیا، دوسری جگہ کم نظر سے گزرے گا، حقیقت میں آپ اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھتے تھے، بحیثیت تبلیغ جو خدماتِ عالیہ آپ کے سپرد کی گئیں تھیں، یعنی ہدایت وراہ بری، اس کو آپ انجام دیتے، بیعت فرماتے، ذکر وشغل بتلاتے، نفس کے مفاسد وقبائح بیان فرماتے اور معالجہ فرماتے تھے، مگر بایں ہمہ اس کا کبھی وسوسہ بھی آپ کے قلب پر نہ گزرتا تھا کہ میں عالم ہوں اور یہ جاہل، میں پیر ہوں اور یہ مرید، میں مطلوب ہوں اور یہ طالب، مجھے ان پر فوقیت ہے، میرا درجہ ان کے اوپر ہے، کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آپ نے اپنے خدام کو خادم یا مستوسل یا منتسب کے نام سے یاد فرمایا ہو، ہمیشہ اپنے لوگوں سے تعبیر فرماتے اور دعا میں یاد رکھنے کی اپنے لیے طالبین سے بھی زیادہ ظاہر فرماتے تھے، ایک مرتبہ تین شخص بیعت کے لیے حاضر آستانہ ہوئے، آپؒ نے ان کو بیعت فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ: ''تم میرے لیے دعا کرو، میں تمہارے لیے دعا کروں گا، اس لیے کہ بعض مرید بھی پیر کو تیرا لیتے ہیں۔''۔ (آپ بیتی:، ج:۲، ص:۲۴۱، بحوالہ تذکرۃ الرشید، ج:۲، ص:۱۷۴)

بریلی کے مولوی احمد رضا خان نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے، ان فرشتہ صفت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے

www.banuri.edu.pk

میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے، ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''اَجی! دور کی گالیوں کا کیا ہے؟ پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں، تم سناؤ، آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کریں۔'' (ارواح ثلاثہ، ص:۲۱۱)

اللہ اکبر! حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین، بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر، اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کر لیا جائے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ص:۱۱۴)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''میری عمر پندرہ سولہ سال کی ہوگی کہ دارالعلوم کی قدیم عمارت نودرہ کے عقب میں ایک عظیم الشان دارالحدیث تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی، اس کے لیے بڑی گہری بنیادیں نودرہ کی عمارت سے متصل کھودی گئیں، اتفاقِ وقت سے بڑی تیز بارش ہوئی اور کافی دیر تک رہی، یہ زمین کچھ نشیب میں تھی، بارش کے پانی سے ساری بنیادیں لبریز ہوگئیں، دارالعلوم کی قدیم عمارت کو خطرہ لاحق ہوگیا، فائر بریگیڈ ٹیرانجنوں کا زمانہ نہیں تھا اور ہوتا بھی تو ایک قصبہ میں کہاں؟

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس صورت حال کی اطلاع ملی تو اپنے گھر میں جتنی بالٹیاں اور ایسے برتن تھے جن سے پانی نکالا جاسکے، سب جمع کر کے حضرت کے مکان پر جو طالب علم اور دوسرے مریدین جمع رہتے تھے، ان کو ساتھ لے کر ان پانی سے بھری گہری بنیادوں پر پہنچے اور بدست خود بالٹی سے پانی نکال کر باہر پھینکنا شروع کیا، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اس معاملہ کی خبر پورے دارالعلوم میں بجلی کی طرح پھیل گئی، پھر کیا پوچھنا، ہر مدرس اور ہر طالب علم اور ہر آنے جانے والا اپنے اپنے برتن لے کر اس جگہ پہنچ گیا اور بنیادوں کا پانی نکالنا شروع کیا، احقر بھی اپنی قوت وحیثیت کے مطابق اس میں شریک تھا، میں نے دیکھا کہ چند گھنٹوں میں یہ سارا پانی بنیادوں سے نکل کر کیچڑ رہ گیا تو اس کو بھی بالٹیوں سے صاف کیا گیا۔ اس کے بعد ایک قریبی تالاب پر تشریف لے گئے اور طلبہ سے کہا کہ اس میں غسل کریں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اول عمر سے سپاہیانہ زندگی رکھتے تھے، پانی میں تیراکی کی بڑی مشق تھی، حضرت کے ساتھ طلبہ بھی جو تیرنا جانتے تھے، وہ درمیان میں پہنچ گئے، مجھ جیسے آدمی جو تیرنے والے نہ تھے، کنارے پر کھڑے ہو کر نہانے لگے۔ یہ واقعہ تو خود احقر نے دیکھا اور سیر وشکار میں طلبہ کے ساتھ بے تکلف دوڑنا بھاگنا، تالابوں میں تیرنا یہ عام معمولِ زندگی تھا، جس کے بہت سے واقعات دوستوں اور بزرگوں سے سنے ہیں۔ دیکھنے والے یہ نہ پہچان سکتے تھے

کہ ان میں کون استاد اور کون شاگرد؟‘‘ (چند عظیم شخصیات، ص:۱۱)

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ’’حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ منصب اور عہدہ کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اکبر (بعد کی اصطلاح میں صدر مفتی) تھے، تفسیر یا حدیث کا کوئی سبق بھی پڑھا دیتے تھے، اس کے ساتھ وہ نقش بندی مجددی طریقہ کے صاحب ارشاد شیخ بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی راہ نمائی اور تربیت میں راہِ سلوک طے کی تھی اور ان ہی کے مجاز تھے۔ وہ دارالعلوم کے اس وقت کے اکابر واساتذہ میں سب سے بڑے، بلکہ سب کے بڑے تھے اور سب ہی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں جو کمال بہت ہی نمایاں تھا، جس کو ہم جیسے صرف ظاہری آنکھیں رکھنے والے بھی دیکھتے تھے، وہ ان کی انتہائی بے نفسی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کے اس بندہ کے اندر وہ چیز ہے ہی نہیں جس کا نام نفس ہے، یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ گھروں کے جو کام نوکروں اور نوکرانیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عندالضرورت وہ سب کام (جیسے گھر میں جھاڑو دینا، برتنوں کا دھونا، مانجھنا وغیرہ) یہ سب بے تکلف، بلکہ بشاشت اور خوشی کے ساتھ کرلیتے ہیں۔ آس پاس کے غریب گھرانوں کے پیسے پیسے، دودو پیسے کا سودا بھی خرید کے بازار سے لادیتے ہیں، دوسروں کے پھٹے جوتے لے جاکر ان کی مرمت کرالیتے ہیں۔ راقم سطور شہادت دے سکتا ہے کہ بے نفسی کا ایسا کوئی دوسرا نمونہ اس عاجز نے نہیں دیکھا۔‘‘ (تحدیث نعمت، ص:۱۲۷)

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علما میں اختلاف ہوگیا، فریقین نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حَکَم بنایا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کے دلائل غور سے سنے، ان میں سے ایک فریق اپنے موقف پر ’’فتاویٰ عمادیہ‘‘ کی ایک عبارت سے استدلال کررہا تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’میں نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخے کا مطالعہ کیا ہے، اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے، لہٰذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے، یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کررہے ہیں۔‘‘

ایسے علم وفضل اور ایسے حافظے کا شخص اگر بلند بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق پہنچ سکتا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قافلۂ رشد وہدایت کے فرد تھے جس نے ’’من تواضع للّٰہ‘‘ کی حدیث کا عملی پیکر بن کر دکھایا تھا، چناں چہ اسی واقعہ میں جب انہوں نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت شاہ صاحب الحبر البحر (عالم متبحر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ

دیے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو قلم ہاتھ سے لے کر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے۔''

پھر ایسا شخص جو ہمہ وقت کتابوں ہی میں مستغرق رہتا ہو، اس کا یہ جملہ ادب و تعظیم کتب کے کس مقام کی نشان دہی کرتا ہے کہ: ''میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں''۔

چناں چہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''سفر وحضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے، گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔''

اور یہ بھی فرمایا کہ: ''میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔'' (اکابر دیوبند کیا تھے؟، ص: ۹۷)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حقیقت یہ ہے کہ علمائے دیوبند کا جو خاص امتیاز ہے، وہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو مٹانا، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا، جب میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک شانِ جلال اور ایک رعب اور وجاہت عطا فرمائی تھی، چہرہ مبارک بڑا وجیہ تھا، اگر وہ اپنی وجاہت کو چھپانا بھی چاہیں تو نہیں چھپا سکتے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود طالب علموں اور دوسرے لوگوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے مغرب کے بعد آپ کو دیکھا کہ ایک صاحب کرتا اُتارے ہوئے، صرف پائجامہ پہنے ہوئے، حوض کے پاس چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا اور مجھے پتہ بھی نہیں کہ یہ حضرت والا لیٹے ہوئے ہیں اور پاس میں طلبہ بھی تھے، بعد میں پتہ چلا کہ حضرت والا لیٹے ہوئے ہیں۔

اس طرح ان حضرات کی خاص شان تھی، یہ چیز دنیا میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے، یہ خصوصی وصف اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو دیا تھا، افسوس! اب ہمارے پاس بزرگوں کی صحبت حاصل نہیں رہی، صرف مدارس اور کتابیں رہ گئی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی یہ وصف پیدا فرمادے، آمین۔'' (مجالس مفتی اعظم، ص:۵۲۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں یہ بات لکھی ہے کہ آپؒ نے یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے نہ چلے، میرے ساتھ نہ چلے، جب میں تنہا کہیں جارہا ہوں تو مجھے تنہا جانے دیا کرو۔ حضرت فرماتے کہ یہ مقتدا کی شان بنانا کہ جب آدمی چلے تو دو آدمی اس کے دائیں طرف اور دو آدمی اس کے بائیں طرف چلیں، میں اس کو بالکل پسند نہیں کرتا، جس طرح ایک عام انسان چلتا ہے، اسی طرح چلنا چاہیے۔

ایک مرتبہ یہ اعلان فرمایا کہ اگر میں اپنے ہاتھ میں کوئی سامان اٹھا کر جارہا ہوں تو کوئی شخص

www.banuri.edu.pk

آ کر میرے ہاتھ سے سامان نہ لے، مجھے اسی طرح جانے دے، تاکہ آدمی کی کوئی امتیازی شان نہ ہو اور جس طرح ایک عام آدمی رہتا ہے، اس طریقے سے رہے۔ (اصلاحی خطبات، ج:۵، ص:۳۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یوپی کی ایک جگہ میری تقریر تھی، رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا، نیند اور بیداری کے درمیان تھا کہ مجھ کو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پاؤں دبا رہا ہے، میں نے کہا کہ لوگ اس طرح دباتے رہتے ہیں، کوئی مخلص ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے، باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جا رہی تھی، سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت مدنی ہیں! فوراً پھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا، حضرت! کیا ہم نے اپنے لیے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں؟! شیخ نے جواب دیا کہ آپ نے دیر تک تقریر کی تھی، آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت۔ ساتھ ہی نماز کا وقت بھی قریب تھا، میں نے خیال کیا کہ آپ کی نماز ہی نہ چلی جائے، تو بتایئے! حضرت! میں نے کیا غلط کیا ہے؟۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۵۱۵)

مولانا عبداللہ فاروقی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، لاہور دہلی مسلم ہوٹل میں برسہا برس خطیب رہے، ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قیام کیا، ایک روز جب مولانا کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گیا تو میں نے مولانا کا جوتا اٹھا لیا، مولانا اس وقت تو خاموش رہے، دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھنے کے لیے گئے، تو مولانا نے میرا جوتا اٹھا کر سر پر رکھ لیا، میں پیچھے بھاگا، مولانا نے تیز چلنا شروع کر دیا، میں نے کوشش کی کہ جوتا لے لوں، نہیں لینے دیا، میں نے کہا کہ خدا کے لیے سر پر تو نہ رکھیے، فرمایا! عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے۔ میں نے عہد کر لیا، تب جوتا سر سے نیچے اتار کر رکھا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۵۱۶)

یہ چند شخصیات کا ادنیٰ سا اور مختصر سا نمونہ پیش کیا گیا ہے، ورنہ اکابر علماء دیوبند کا چمنستان ایسا وسیع، خوشبودار اور پھل دار ہے کہ پوری دنیا اس سے فیض حاصل کر رہی ہے اور کرتی رہے گی، یہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اعمال کو اپنے سینوں میں اتارنے والے، شب و روز میں انجام پانے والے، ہر ہر عمل سے متعلق سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنانے والے اور ہر ہر فرد تک اُسے پہنچانے والے تھے۔ اس گلستان کے ہر ہر پھول کی تاریخ پر کتب تک لکھی جا سکتی ہیں اور لکھی گئیں، ضرورت ہے کہ ان حضرات کی سوانح کو مستقل مطالعہ میں رکھ کر ان کی صفاتِ قدسیہ کو اپنایا جائے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو ان اکابرین کی صفات کو اپنانے کی اور ان کو پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

www.banuri.edu.pk